بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کیا فوجِ حسینؑ کے جوانانِ حسیں تھے ۱ کیا زاہد و ابرار تھے، کیا صاحبِ دیں تھے
آگاہ دل و اہلِ وفا، اہلِ یقیں تھے غنچہ دہن و مہر لقا، ماہِ مبیں تھے
ایک ایک کے مرقد پہ فدا ہوتی ہے زہراؑ
عاشور سے بس آج تلک روتی ہے زہراؑ

وہ عاشقِ صادق تھے، وہ تھے مومنِ کامل ۲ دی تھی اُنھیں خالق نے تمیزِ حق و باطل
کیا ہوش تھا، کیا فہم تھی، کیا عقل تھی، کیا دل کیا حُسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل
محرابِ عبادت خمِ شمشیر کو سمجھے
جادہ وہ مسافر دمِ شمشیر کو سمجھے

دنیا کے نہ خواہاں تھے، نہ تھی خواہشِ اِجلال ۳ تھے دوست فقیروں کے، نہ تھی حُبِّ زر و مال
نہ یادِ وطن تھی نہ انھیں الفتِ اطفال شبیرؑ کے عاشق تھے زہے بخت، خوشا حال
مذکور یہ تھا جی سے گذر جائیں گے پہلے
اس بات پہ مرتے تھے کہ مرجائیں گے پہلے

کلمہ کوئی پڑھتا تھا کوئی کہتا تھا تکبیر　۴　قاری کوئی قرآں کا، کوئی ماہرِ تفسیر
تھی پیشِ نظر گلشنِ فردوس کی تعمیر　تھا شوق کہ اب حوروں سے ہوویں گے بغل گیر
نہ پیاس کا صدمہ تھا نہ جانوں کی پڑی تھی
ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی

مقبولِ خدائے دوجہاں تھے وہ جواں مرد　۵　مرجانے پہ سرگرم تھے اور زیست سے دل سرد
ایک ایک جری دفترِ کونین میں تھا فرد　تابندہ تھے خورشید کی صورت رخِ پُر گرد
ایسے کسی تسبیح کو کب دانے ملے ہیں
کس شمع کو اس طرح کے پروانے ملے ہیں

مستِ مئے عرفاں تھے وہ سب عاقل و ذی ہوش　۶　تھی غیرِ خدا سب کی انھیں یاد فراموش
دنیا سے بَری، بارِ علائق سے سبکدوش　دل یادِ الٰہی میں جو یوں دیکھو تو خاموش
ہر دم سرِ تسلیم تھا خم راہِ خدا میں
بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہِ خدا میں

وہ صورتِ حُسن اور وہ اثر دار دعائیں　۷　وہ چاند سے رخ اور وہ نورانی عبائیں
وہ ان کی عباؤں کے تلے تنگ قبائیں　وہ دوش پہ شملے، وہ عمامے، وہ رِدائیں
نہ حور میں یہ حُسن، نہ انساں، نہ پری میں
گویا ملک اترے تھے لباسِ بشری میں

ہمت سے توانا ، پہ ریاضت سے بدن زار　۸　مرنے پہ کمر باندھے، شہادت کے طلب گار
غربت، المِ فاقہ کشی، زردئ رخسار　سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ عیاں پیاس کے آثار
تسبیحِ خدائے دوجہاں وِردِ زباں تھی
بیدارئ شب نرگسی آنکھوں سے عیاں تھی

ایسے نہ پیمبرؐ کو ملے یاور و انصار ۸ مقبولِ خدا، صاحبِ دیں، زاہد و ابرار
پیدا نہ ہوں اس طرح کے اصحابِ وفادار برسوں جو رہے چرخ میں یہ گنبدِ دوّار
حق ہم سے غلامی کے ادا ہو نہیں سکتے
کٹوائے سر اُن لوگوں نے، ہم رو نہیں سکتے

مولا کی محبت تھی ہر اِک بات میں ظاہر ۹ کیا کیا نہ اذیت تھی پہ تھے صابرو شاکر
اس بھوک میں ثابت قدم، اس پیاس میں صابر سر دینے کو موجود، فدا ہونے کو حاضر
کھائے تبرو تیر، یہ غمخواری کا حق تھا
وہ کر گئے غازی جو وفا داری کا حق تھا

بے جاں ہوئے پردیس میں کیا رنج اٹھا کے ۱۱ مرقوم ہیں قرآن میں رتبے شُہَدا کے
طالب تھا خدا اُن کا، وہ طالب تھے خدا کے وہ چاہنے والے تھے امامِ دوسرا کے
دنیا میں یہ تحصیلِ سعادت کا صِلا تھا
آقا بھی انھیں سبطِ پیمبرؐ سا ملا تھا

جن لوگوں کا عباسؑ دلاور سا علمدار ۱۲ حقّا کہ عجب فوج تھی فوجِ شہِ ابرار
مختار وہ مختار تھا جو خلق کا مختار ہم شکلِ پیمبرؐ سا جواں فوج کا سالار
ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا
لشکر نے بھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

زیبیدہ تھے اس چاند کو ایسے ہی ستارے ۱۳ چہرے تھے خدا نے یدِ قدرت سے سنوارے
شبیرؑ کے شیدا تھے وہ اللہ کے پیارے کس صبر سے آفت میں کئی روز گذارے
بڑھ بڑھ کے گلا رکھتے تھے شمشیرِ دو دم پر
سر کٹ کے جو گرتے تھے تو آقا کے قدم پر

تلواریں تو تھیں ہاتھوں میں اور کاندھوں پہ ڈھالیں ۱۴ نیزوں کی ستاروں سے چمکتی ہوئی بھالیں
یہ قصد کہ قبضے پہ عدو ہاتھ تو ڈالیں ہم بھی ابھی رہواروں کو چمکا کے نکالیں
تلواریں علم کرکے جو لشکر پہ جھکیں گے
نیزوں سے، نہ تیروں سے، نہ خنجر سے رکیں گے

کہتا تھا کوئی آج کا مرنا ہے سعادت ۱۵ سر تا بہ قدم خون میں بھرنا ہے سعادت
خنجر کے تلے حلق کو دھرنا ہے سعادت سر سے رہِ خالق میں گزرنا ہے سعادت
پانی میں وہ لذت، نہ وہ کھانے میں مزا ہے
جو آج کے دن حلق کٹانے میں مزا ہے

تھے دہنی طرف جمع عزیزِ شہِ ذی شاں ۱۶ جن کے رخِ روشن سے منوّر تھا وہ میداں
زہراؑ کے جگر بند، محمدؐ کے دل و جاں تلواروں کو تولے ہوئے سب جنگ کے خواہاں
میداں میں عجب رنگ سے مرنے پہ تُلے تھے
حیدرؑ کے مرقّع کے ورق رن میں کھُلے تھے

اٹھّا رہ تھے فرزندِ پیمبرؐ کے یگانے ۱۷ اک رشتہ میں جس طرح ہوں تسبیح کے دانے
پالا تھا انھیں گود میں شاہِ شہدا نے عاشور کو ہاتھ ان پہ کیا صاف قضا نے
وہ فاطمہؑ کے نخل جو پھولے نہ پھلے تھے
مقتل میں ستمگاروں کی تیغوں کے تلے تھے

کچھ طِفل تھے اور تازہ جواں تھے کئی خوش رُو ۱۸ خوش ظاہر و خوش باطن و خوش قامت و خوش خُو
وہ چاند سے رخ اور وہ گوندھے ہوئے گیسو تھی کوسوں تک ان فاطمہؑ کے پھولوں کی خوشبو
مرجائیں گے فاقے میں قسم کھائے ہوئے تھے
پانی کا جو تھا قحط تو مُرجھائے ہوئے تھے

لڑکے کئی جو پہلے پہل نکلے تھے گھر سے　۱۹　ہر صف کی طرف تکتے تھے شیروں کی نظر سے
چھوٹے سے لگائے ہوئے ہتھیار کمر سے　　کہتے تھے نکلتا نہیں اب کوئی ادھر سے
یہ دیر ہے کیوں ،اس سے بھلا فائدہ کیا ہے
میداں میں چمکنے لگیں تیغیں تو مزا ہے

چلنے لگے تلوار، کھُلیں تیغو ں کے جوہر　۲۰　دیکھیں تو بھلا کس نے کسے کردیا بے سر
میداں سے پھرا کون ہزاروں کو بھگا کر　　ہاں دیکھیں تو کس نے تہ و بالا کیا لشکر
رہوار کو چمکا کے ہزاروں پہ گرا کون
فوجِ ستم آرا کے نشاں لے کے پھرا کون

دو لاکھ میں کس نے پسرِ سعد کو مارا　۲۱　کس نے سرِ شمرِ ستم ایجاد اُتارا
تلوار سے کس نے کیا خولی کو دو پارا　　خالی کیا کس شیر نے دریا کا کنارا
لو فتح ہوئی کون خبر دیتا ہے آکر
گڑتا ہے نشاں کس کا درِ کوفہ پہ جا کر

بولا کوئی حضرت ہمیں پہلے جو رضا دیں　۲۲　لڑکے ہیں، پہ زورِ اَسَدُ اللہ دکھا دیں
دعویٰ یہ نہیں کرتے کہ لشکر کو بھگا دیں　　اک حملہ میں دو چار صفوں کو تو ہٹا دیں
لاچار ہیں گر پیاس سے غش کھا کے گریں گے
تم اس کی قسم لے لو کہ جیتے نہ پھریں گے

کیا حضرتِ مسلمؑ کے یتیموں کا کہوں حال　۲۳　نُہ سالہ و دہ سالہ تھے وہ صاحبِ اقبال
منہ چاند سے اور الجھے ہوئے گیسوؤں کے بال　　پوشاک سیہ جسم میں اور دھوپ سے منہ لال
دو چاند سے رخ گردِ یتیمی سے اٹے تھے
اور ماتمی کپڑوں کے گریبان پھٹے تھے

تھے داغِ غمِ بے پدری اُن کے جگر میں ۲۴ ٹوٹا تھا فلک غم کا جو ایذائے سفر میں
دنیا تھی فراموش اُنھیں یادِ پدر میں لب خشک تھے، اندھیر زمانہ تھا نظر میں
کہتے تھے کہ بابا تو نہ اب آ کے ملیں گے
آقا کے ہراول سے ہمیں جا کے ملیں گے

بابا کی سنانی تو مقدّر نے سنائی ۲۵ چھوٹے کا سخن تھا کہ بڑا غم ہے یہ بھائی
کیا جانئے ہیں قید کہ پائی ہے رہائی کوفے سے نہ دو بھائیوں کی کچھ خبر آئی
وہ کہتا تھا سر اُن کے اتارے گئے ہوں گے
اقلیم میں دشمن کے ہیں، مارے گئے ہوں گے

اک حیدرِؑ کرار تھا، اک جعفرِؑ طیّار ۲۶ ماموں کے قریں زینبؑ دلگیر کے دلدار
کچھ دھیان پہ چڑھتا نہیں یہ لشکرِ کُفّار انگڑائیاں لے لے کے یہی کہتے تھے ہر بار
اک دم میں فنا ہوں گے جو لاکھوں ہیں تو کیا ہیں
روباہ ہیں وہ، ہم پسرِ شیرِ خدا ہیں

عبد اللہ و زیدِ حسنؑ و قاسمِ نوشاہ ۲۷ اور تین تھے لختِ جگرِ شبّرؑ ذی جاہ
کُل تیرہ برس کا تھا پہ تھا چودھویں کا ماہ دولھا کے سِن و سال کا کیا حال لکھوں آہ
دن گنتی تھی ماں بیٹے کی شادی کی ہوس میں
دولھا بھی بنے، مر بھی گئے تیرہ برس میں

قد سرو سا ہے پر یہ کہاں اُس میں روانی ۲۸ وہ حُسن، وہ سِن اور وہ پوشاک شہانی
وہ رعب کہ ہو جائے جگر شیر کا پانی خُلقِ حَسَنی، کم سُخنی، غنچہ دہانی
تلوار تو کاندھے پہ، زرہ باپ کی، بر میں
تصویرِ حسنؑ پھرتی تھی حضرت کی نظر میں

تھی صبحِ شبِ عقد کہ پیکِ اجل آیا　۲۹　دیکھا بھی نہ تھا ماں نے کہ سہرے کو بڑھایا
بانو نے سرِشام دُلھن جس کو بنایا　　قسمت نے سحر کو اُسے رنڈ سالہ پہنایا
دولھا کی نشانی تو کلیجے پہ دھری تھی
اور مانگ میں صندل کے عوض خاک بھری تھی

عباسؑ سوا پانچ تھے فرزندِ یدُاللہ　۳۰　ششدر تھا جنھیں دیکھ کے سب لشکرِ گمراہ
ایک ایک دلاور تھا ہزبرِ صفِ جنگاہ　　شیروں کو دمِ حرب سمجھتے تھے وہ روباہ
غازی تھے، بہادر تھے، ولی ابنِ ولی تھے
سب قوتِ بازوئے حسینؑ ابنِ علیؑ تھے

عباسِؑ علیؑ حیدرِ صفدر کا نشاں تھا　۳۱　بس لشکرِ اسلام میں وہ شیرِ ژیاں تھا
لکھا ہے کہ بتّیس برس کا وہ جواں تھا　　چہرے سے جلالِ اسدُاللہ عیاں تھا
اعلیٰ نہ ہو کیوں ایسے علمدار کا رتبہ
خالق جسے دے جعفرؑ طیّار کا رتبہ

کیا وصفِ جنابِ علی اکبرؑ کروں تحریر　۳۲　حُسنِ نبویؐ، خُلقِ حسنؑ، غربتِ شبیرؑ
اٹّھارہ برس کا توسِن اور صاحبِ توقیر　　تھا شور کہ انساں ہے کہ ہے نور کی تصویر
شوکت ہے سراپا میں رسولِ دوسرا کی
ایسے بھی بشر ہوتے ہیں، قدرت ہے خدا کی

تھے بیچ میں اُس غول کے شاہنشہِ عالم　۳۳　گردوں پہ ستاروں میں تھا وہ نیّرِ اعظم
دریائے کرم، رحمتِ حق، نورِ مجسّم　　فخرِ دوجہاں، قبلۂ دیں، سیّدِ اکرمؑ
غل تھا کہ عجب شوکت و شانِ شہِ دیں ہے
ذرّے سب اِسی کے ہیں، یہ خورشیدِ مبیں ہے

ناگاہ بجا فوجِ عدو میں دُہلِ جنگ ۳۴ کھُلنے لگے ہر صف کے علم ہائے سیہ رنگ
لشکر کے سیہ پوشوں نے گھوڑوں کے کسے تنگ جا خالی نہ تھی فوجِ ستم میں کئی فرسنگ
بے دینوں کے رخ قبلۂ ایماں سے پھرے تھے
ہفتاد دوتن، لاکھ سواروں میں گھرے تھے

اُمڈا تھا سمندر کی طرح لشکرِ کُفّار ۳۵ جوں موج نظر آتی تھی تلوار پہ تلوار
کیا دخل نظر جائے جو اِس پار سے اُس پار بے خوں میں ہوئے غرق عبور اُس سے تھا دشوار
پانی تھے جگر پیاس سے اولادِ علیؑ کے
خشکی میں تباہی تھی سفینے پہ نبیؐ کے

تھے گھاٹ پہ دریا کے صف آرا قدَر انداز ۳۶ قالب سے کرے روح جنھیں دیکھ کے پرواز
پیغامِ اجل اُن کے ہر اِک تیر کی آواز ایک ایک کو اپنی قدر اندازی پہ تھا ناز
جوڑے ہوئے تیروں کو جمائے ہوئے صف کو
رخ سب کے جگر گوشۂ زہراؑ کی طرف کو

بدکیش کوئی دیکھتا تھا تیر کا پَلّا ۳۷ کہتا تھا کوئی کرتے ہیں اب پیاسوں پہ ہلّا
الفت ہے نہ حیدرؑ سے، نہ احمدؐ سے تولاّ کردیتے ہیں برباد قریشوں کا محلّا
دنیا سے مٹا دیں گے نشاں آج نبیؐ کا
بچہ بھی نہ چھوڑیں گے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

واں ہوتی تھی قتل شہِ دلگیر کی تدبیر ۳۸ تھے یاں کے بھی تھوڑے سے جواں دست بہ شمشیر
غل خیمہ میں تھا ہائے غضب، گھِر گئے شبیرؑ بے تاب تھی سر کھولے ہوئے شاہ کی ہمشیر
گر پڑتی تھی غش کھا کے جو غل ہوتا تھا رن میں
چادر نہ سنبھلتی تھی یہ رعشہ تھا بدن میں

کہتی تھی سکینہؑ سے کہ آ اے مِری پیاری ۳۹ سُن لیتا ہے بچوں کی دعا ایزدِ باری
خالق سے یہ رو رو کے دعا مانگو میں واری پھر خیر سے آئے مِرے بابا کی سواری
اس سِن میں یتیمی کا مجھے داغ نہ ہووے
پامالِ خزاں فاطمہؑ کا باغ نہ ہووے

یاں تھا یہ تلاطُم کہ چلے تیر اُدھر سے ۴۰ عباسؑ بچانے لگے حضرت کو سپر سے
تلواریں نکلنے لگیں شیروں کی کمر سے لڑنے کا لیا اذن شہِ جنّ و بشر سے
کہتے تھے کہ رن میں کہیں تلوار نہ چل جائے
دھڑکا تھا کہ ہم سے کوئی پہلے نہ نکل جائے

پہلے حُرِ غازی نے صفیں کیں تہہ و بالا ۴۱ پھر بھائی گیا رن میں ہلاتا ہوا بھالا
فرزند نے رہوار کو چمکا کے نکالا تینوں جو ہوئے قتل تو روئے شہِ والا
کہرام تھا مہماں کے لئے اہلِ حرم میں
رونے کو بتولؑ آئی تھیں میدانِ ستم میں

میدان میں مسلمؑ پسرِ عَوسجہ آیا ۴۲ تلوار جو کھینچی توہزاروں کو بھگایا
جس دم وہ گرا شہ نے بڑا رنج اٹھا یا چھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
لاشے سے گلے مل کے جدا ہوتے تھے شبیرؑ
عورات میں غل ہوتا تھا جب روتے تھے شبیرؑ

ضرغامہؔ و وہبؔ و اَنسؔ و مالکؔ دیندار ۴۳ حجّازؔ و زُہَیرؔ و اسدیؔ، عامرؔ و عمّارؔ
عمرانؔ و شعیبؔ و عمّرو شوذبؔ و ابرارؔ قربانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہوگئے اک بار
جس سمت یہ جانباز تھے، خالی وہ پرا تھا
دو روز تلک دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

۴۴
باقی جو رفیقِ شہِ دیں رہ گئے دوچار حسرت سے انھیں دیکھتے تھے سیدِ ابرار
کی بڑھ کے حبیب ابنِ مظاہر نے یہ گفتار یہ پیرِ غلام اب ہے اجازت کا طلبگار
بندے کو بھی مرنے کی رضا دیجئے آقا
فردوس کے رستے پہ لگا دیجئے آقا

۴۵
اوروں نے تو سر دے کے بڑا مرتبہ پایا زیرِ دمِ شمشیر ہر اِک خوں میں نہایا
چھاتی سے انھیں احمدِؐ مرسَل نے لگا یا میں بھی اسی دولت کی ہوں امید پہ آیا
وہ کیجے کہ شرمندہ نہ ہوں آپ کے جد سے
جنّت میں پہنچ جاؤں گا آقا کی مدد سے

۴۶
حقّا کہ سخی ابنِ سخی کا ہے یہ دربار محروم یہاں سے کوئی جاتا نہیں زنہار
آقا مِرا وہ ہے جو خدائی کا ہے مختار حُر کو ابھی پہنچا دیا کس رتبے کو اک بار
بے قدر ہوں افلاک، جو نظروں سے گرادو
جس ذرّے کو چاہو اُسے خورشید بنادو

۴۷
پہنچا ہے ہر اِک فیض کو حضرت کی بدولت پاتا ہے کوئی حُور، کوئی حُلّۂ جنّت
رہنے کو مکاں خلد میں ہوتے ہیں عنایت محبوبِ خدا بانٹتے ہیں خلعتِ رحمت
اب دیر جو ہوتی ہے مِرے دل کو قلق ہے
بچپن کا جو خادم ہے کچھ اُس کا بھی تو حق ہے

۴۸
حضرت نے سنا دردِ دل اس دوست کا جس دم اک آہ بھری سرد اور آنکھیں ہوئیں پُرنم
فرمایا کہ اے یارِ قدیم اے مِرے ہمدم اس وقت مجھے اپنی جدائی کا نہ دے غم
ہے کون رفیقوں میں بجز یاس ہمارے
اک چاہنے والا تو رہے پاس ہمارے

منظور نہیں مجھ کو کہ تو مجھ سے جدا ہو ۴۹ باقی ہے جو کچھ زیست بس ایک ہی جا ہو
یہ ساتھ غنیمت ہے، ستم ہو کہ جفا ہو تنہائی میں پھر مجھ پہ خدا جانئے کیا ہو
جو دوست ہے میرا اُسے پہچانتا ہوں میں
بھائی تجھے بھائی سے سوا جانتا ہوں میں

اس عالمِ پیری میں نہ کر جنگ کی تدبیر ۵۰ رعشہ ہے بہت ہاتھوں میں اٹھّے گی نہ شمشیر
مانندِ کماں خم ہے کمر، حال ہے تغییر چلّے سے ملایا بھی تو کھنچنے کا نہیں تیر
پیاسا ہے دمِ حرب غش آجائے گا رن میں
پانی بھی نہیں ہے جو چواؤں گا دہن میں

ہے عالمِ طفلی سے تجھے جس سے محبت ۵۱ وہ آج ہے دنیا میں گرفتارِ مصیبت
ہے یاں سے قریں قبرِ شہنشاہِ ولایت جا بیٹھ نجف میں کہ ملے گی تجھے راحت
مشہور وہ دربارِ شہِ عقدہ کُشا ہے
دنیا میں غریبوں کے لئے امن کی جا ہے

جاری اُسی دربار سے ہے امن کا دستور ۵۲ ہے پرورشِ شاہ و گدا ایک سے منظور
افسانۂ شہباز و کبوتر تو ہے مشہور پشّہ کو ستائے یہ کسی کا نہیں مقدور
اک ضرب کو فرمادیا، پر دل سے نہ چاہا
خوں کا عِوَض اپنے بھی تو قاتل سے نہ چاہا

ہم اِذن اگر قبلۂ کونین سے پاتے ۵۳ آبِ دمِ شمشیر سے خوں اُس کا بہاتے
حضرت کا یہ عالم تھا کہ جب کھانے کو کھاتے کہتے تھے حسنؑ سے کچھ اسے بھی ہو کھلاتے
بھوکا نہ رکھو رحم اسیروں پہ روا ہے
بازو بھی نہ باندھو کہ علیؑ عقدہ کشا ہے

۵۴
جس وقت کہ دربارِ یدُاللہ میں جانا اُس مرقدِ پُر نور کو آنکھوں سے لگانا
آداب بجالا کے یہ بابا کو سنانا بیٹے کی خبر لو کہ ہے برگشتہ زمانہ
تم ساقیٔ کوثر ہو، زمانے پہ عیاں ہے
یہ تیسرا دن ہے کہ پسر تشنہ دہاں ہے

۵۵
بیٹھے ہیں لبِ نہر ستمگاروں کے دستے بچے مِرے گرمی میں ہیں پانی کو ترستے
جاؤں تو کدھر جاؤں کہ سب بند ہیں رستے پانی کا جو لوں نام تو ہیں تیر برستے
حضرت سے بھی ہوں دُور، وطن سے بھی جدا ہوں
امداد کو پہنچو کہ مصیبت میں پھنسا ہوں

۵۶
یاشاہ کہیں امن کی جا میں نہیں پاتا دُشمن کو بھی غربت میں نہیں کوئی ستاتا
سب سہل تھا بچوں کو اگر ساتھ نہ لاتا ہے سخت مصیبت، مجھے کچھ بن نہیں آتا
جب سر مرا خنجر سے جدا ہوئے گا بابا
کیا جانئے ناموس پہ کیا ہوئے گا بابا

۵۷
اے کُل کے مددگار مدد کرنے کو آؤ تم صاحبِ اعجاز ہو اعجاز دکھاؤ
میں شاد ہوں کچھ غم مرے مرنے کا نہ کھاؤ پر زینبؑ بیکس کو اسیری سے بچاؤ
پاؤں نہ کفن میں، تو کچھ اس کا نہیں غم ہے
بے پردہ جو ہو دخترِ زہراؑ تو ستم ہے

۵۸
رویا یہ سخن سن کے حبیبِ جگر افگار گر کر قدمِ شہ پہ یہ کی عرض بہ تکرار
قربان ترے اے خَلَفِ حیدرؑ ِ کرّار اس وقت کہاں جائے یہ بچپن کا نمک خوار
فردوس میں جانا مجھے منظور ہے آقا
جنّت تو ہے نزدیک، نجف دُور ہے آقا

کس منہ سے میں دربارِ یدُاللہ میں جاؤں ۵۹ زوّاروں کو کس طرح سے شکل اپنی دکھاؤں
کیا کہہ کے میں اُس قبر کو آنکھوں سے لگاؤں حیدرؑ کو خبر آپ کے مرنے کی سناؤں
فرمائیں گے شبیرؑ سے منہ موڑ کے آیا
تلواروں میں بچے کو مِرے چھوڑ کے آیا

میں یاں سے کہاں جاؤں کہ حیدرؑ بھی یہیں ہیں ۶۰ حمزہؓ بھی یہیں آئے ہیں، جعفرؑ بھی یہیں ہیں
دل تھامے ہوئے حضرتِ شبّرؑ بھی یہیں ہیں زہراؑ یہیں روتی ہیں، پیمبرؐ بھی یہیں ہیں
حضرت پہ جو ظلم و ستم و جور و جفا ہے
دوروز سے یاں ہائے حسینا کی صدا ہے

بچپن سے تو سائے کی طرح ساتھ رہا ہوں ۶۱ آیا جو برا وقت تو حضرت سے جدا ہوں
سردوں گا، کہ میں عاشقِ نقشِ کفِ پا ہوں اِس نام پہ قربان ہوں، اِس گھر پہ فدا ہوں
جیتا ہے سدا جو یہ شرف پاتا ہے مولا
اس طرح کا مرنا کسے ہاتھ آتا ہے مولا

حضرت کے غلاموں کے لئے عید کا ہے روز ۶۲ دولت سے شہادت کے ہوئے سب شرف اندوز
راحت ہے جو سینے پہ لگے تیرِ جگر دوز گر آگ ہو تو کود پڑیں آپ کے دل سوز
مجروح ہوں نیزوں سے جو میدانِ ستم میں
ہاتھ آئے ضعیفی کا عصا راہِ عدم میں

ہر چند کہ ہے عالمِ پیری سے نقاہت ۶۳ باقی ہے مگر جسم میں ایماں کی حرارت
جب دیکھتا ہوں آپ کو، آجاتی ہے طاقت ہوتا ہے جوانوں کی طرح جوشِ شجاعت
بے سر دیئے مولا مجھے آرام کہاں ہے
گو پیر ہوں، پر دل مرا مرنے پہ جواں ہے

احوال ہر اِک دوست کا ہے آپ کو معلوم ۶۴ مرنے سے وہ ہیں شاد جو ہیں عاشقِ قیّوم
رعشہ فقط اس خوف سے ہے اے شہِ مظلوم رہ جائے بدن زخمِ شہادت سے نہ محروم
کچھ ضعف نہیں آپ کے قدموں کی قسم ہے
سر بار ہے تن پر، کمر اس واسطے خم ہے

بچپن کی تو اُلفت سے مِری آپ ہیں آگاہ ۶۵ کچھ یاد ہے اُس روز کا حال اے شہِ ذی جاہ
ہمسِن کئی لڑکے بھی تھے اور میں بھی تھا ہمراہ یوں بیچ میں تھے آپ، ستاروں میں ہو جوں ماہ
کیا دن تھے سوا کھیل کے کچھ غم نہ ذرا تھا
گیسو تھے اٹے خاک سے، کرتا بھی پھٹا تھا

لڑکوں کو سوا کھیل کے کچھ اور نہ تھا دھیان ۶۶ اور پیار سے منہ آپ کا میں تکتا تھا ہر آن
ساتھ اُن کے جدھر دوڑتے آپ اے شہِ ذی شان نقشِ قدمِ پاک پہ میں ہوتا تھا قربان
تھی کھیل پہ رغبت، نہ تماشے پہ نظر تھی
خاکِ کفِ پا میرے لئے کحلِ بصر تھی

ناگاہ زمیں واں کی ہوئی مطلعِ انوار ۶۷ اور چاروں طرف نور لگا پھیلنے اک بار
خوشبو سے یہ عالم تھا کہ پھولوں کا ہے انبار تسلیم کو جھکنے لگے بام و درو دیوار
تھا شور کہ آمد ہے یہ محبوبِ خدا کی
ہر ذرّے سے آتی تھی صدا صلِّ علیٰ کی

ناگاہ وہاں آئے شہِ یثرب و بطحا ۶۸ اورآپ کو ہمجولیوں میں کھیلتے دیکھا
پھلائے ہوئے ہاتھوں کو دوڑے بہ تمنّا ہنس ہنس کے لگے بھاگنے آپ اے مِرے مولا
کہتے تھے کہ ہم دوڑتے ہیں آیئے نانا
جب جانیں کہ اس وقت ہمیں پایئے نانا

۶۹
فرماتے تھے احمدؐ کہ میں قربان تمھارے
ہم تم کو پکڑتے ہیں کہاں جاتے ہو پیارے
ہاتھ آئے نہ جب آپ تو کہہ کر یہ پکارے
لو آؤ لگو چھاتی سے اچھا ہمیں ہارے
ڈر ہے مِرے آرام کا نقشہ نہ بگڑ جائے
کانٹا کوئی ان پھول سے تلووں میں نہ گڑ جائے

۷۰
پھر دوڑ کے آغوش میں حضرت نے اٹھایا
چھاتی سے دھڑکتی ہوئی چھاتی کو لگایا
اور پاؤں کو ہاتھوں سے کئی بار دبایا
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کو ہونٹوں سے ملایا
اُس پیار میں رونے کے بھی پہلو نکل آئے
بوسہ جو گلے کا لیا، آنسو نکل آئے

۷۱
مجھ پر نظرِ فیض اثر پڑگئی اک بار
خادم کو بھی حضرت کی طرح کرنے لگے پیار
اُس دم مُتَعَجِّب ہوئے اصحابِ وفادار
ان سب سے یہ فرمانے لگے احمدِ مختار
بے جا نہیں اس طفل پر الطاف نبیؐ کا
یہ چاہنے والا ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۷۲
تم لوگوں نے دیکھے نہیں اس طفل کے جوہر
جس خاک پہ رکھتا تھا قدم میرا یہ دلبر
آنکھوں سے لگاتا تھا یہ اُس خاک کو لے کر
شبیرؑ کے عاشق پہ تصدُّق ہے پیمبرؐ
مرقوم ہے نام اس کا ازل سے شُہَدا میں
دیوے گا خدا قبر اِسے خاکِ شفا میں

۷۳
فرمائیں یہ جب حق میں مِرے احمدؐ مختار
کس طرح نہ صدقے ہو غلامِ شہِ ابرار
مشتاقِ شہادت ہے جوانی سے یہ غم خوار
کُفّار سے جب لڑنے چلے حیدّرِ کرّار
خدمت میں ہر اِک تیغ وسپر باندھ کے آیا
سر دینے کو بندہ بھی کمر باندھ کے آیا

دیکھا جو مسلّح مجھے روکر یہ سنایا ۷۴ ہتھیار لگا کر تو ابھی کس لئے آیا
مرنا ترا اُس دن کا ہے اللہ کو بھایا جس روز لڑائی پہ چڑھے گا مِرا جایا
ہے صاحبِ قسمت تری کیا بات ہے بھائی
دامانِ حسینؑ اور ترا ہاتھ ہے بھائی

جب شہ نے سُنی ابنِ مظاہر کی یہ تقریر ۷۵ بچپن کا خیال آیا تو رونے لگے شبیرؑ
فرمایا کہ مجبور ہوں جو خواہشِ تقدیر دکھلاتا ہے احباب کی فرقت فلکِ پیر
چھٹتا ہے تو پھر یارِ موافق نہیں ملتا
سب ملتے ہیں پر عاشقِ صادق نہیں ملتا

خاطر شکنی دوست کی مجھ کو نہیں منظور ۷۶ کچھ بن نہ پڑا، روک چکے اپنے بہ مقدور
منظورِ نظر یہ تھا کہ آنکھوں سے نہ ہو دور تقدیر کی تحریر سے شبیر ہے مجبور
گو پیچھے رہے جاتے ہیں پھر آئیں گے ہم بھی
منزل پہ سرِ شام پہنچ جائیں گے ہم بھی

فرما کے یہ چھاتی سے لگایا کئی باری ۷۷ رخصت جو کیا آنکھوں سے آنسو ہوئے جاری
گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری لوگو کہو میداں میں چلی کس کی سواری
اب کون بچائے گا شہِ جنّ و بشر کو
سب چھوڑے چلے جاتے ہیں زہراؑ کے پسر کو

سنتی ہوں اُدھر فوج پہ فوج آتی ہے ہردم ۷۸ یاں کم ہوئے جاتے ہیں رفیقِ شہ عالم
سب روتے ہیں یہ کس کے جدا ہونے کا ہے غم جلدی کہو اب تن سے نکلتا ہے مِرا دم
حضرت نے کہا کیا کہوں کیا ہوتا ہے بھینا
بچپن کا مِرا دوست جدا ہوتا ہے بھینا

پہنچا وہ جری شیر سا میدانِ ستم میں ۷۹ یہ سنتے ہی کہرام ہُوا اہلِ حرم میں
بے تاب تھا مولا کی جدائی کے الم میں کامل تھا زبس عشقِ شہنشاہِ اُمم میں
سینہ تھا جری کا تبر و تیر کی جانب
پھر پھر کے نظر کرتا تھا شبیرؑ کی جانب

پڑتی تھی سراپے پہ نظر پیر و جواں کی ۸۰ پیری میں عجب شان تھی اس شیرِ ژیاں کی
گردوں پہ چمک جاتی تھی سجدے کے نشاں کی تھی جلوہ گری نورِ خدائے دوجہاں کی
پیشانئ پُر نور پہ عالم تھا قمر کا
یہ چاند تھا شب کا، وہ ستارہ تھا سحر کا

سرزد نہ کبھی جس سے خطا ہو کسی عنواں ۸۱ باہم صفتِ تیر و کماں ابرو و مژگاں
نظروں سے ہو یعنی رخِ شبیرؑ نہ پنہاں آنکھیں وہ ،غزالانِ حرم جن پہ ہوں قرباں
رخساروں کو تر کرتے ہیں اشک آنکھوں سے ڈھل کے
رہ جاتی ہیں پلکیں کفِ افسوس کو مل کے

مہتاب میں یہ رنگ، نہ یہ حُسن، نہ یہ رُو ۸۲ خورشید سے افزوں ہے صفائے رخِ نیکُو
اور وِردِ زباں ذکرِ صفاتِ شہِ خوش خو غنچہ سے زیادہ دہنِ تنگ میں خوشبو
لب ایسے کہ یاقوت بھی گر جائے نظر سے
بن پانی مگر خشک ہیں چوبیس پہر سے

یا گوہرِ شبنم ہیں کہ غنچے میں ہیں پنہاں ۸۳ بے شبہ لڑی موتیوں کی ہیں دُرِ دنداں
آغوشِ مہِ نو میں ہے خورشیدِ درخشاں وہ ریشِ سپید اور وہ اُس کا رخِ تاباں
کہتی ہے اجل منزلِ ہستی سے سفر ہے
شب گذری جوانی کی یہ پیری کی سحر ہے

۸۴
افسوس بہارِ چمنِ عمر خزاں ہے گردن جو جھکی جاتی ہے، سرتن پہ گراں ہے
جانے کا یہی گوشۂ مرقد کے نشاں ہے جو تیر سا قد تھا سو وہ خم مثلِ کماں ہے
ہے تیغوں کی دھاروں سے گزرنا کوئی دم کو
ہر دم یہ دعا ہے کہ نہ لغزش ہو قدم کو

۸۵
زخموں کے لئے تن کو زرہ سے نہ بچایا سر پر عِوَضِ خود ہے اللہ کا سایا
کیا فائدہ ہے جینے سے جب ہاتھ اٹھا یا دستانے پہننا بھی نہ غازی کو خوش آیا
اک ہاتھ میں وہ تیغ جو لاکھوں پہ چلی ہے
اک ہاتھ میں دامانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

۸۶
اے قوم! حبیب ابنِ مظاہر ہے مِرا نام اتنے میں رجز پڑھ کے پکارا وہ خوش انجام
وار اس کا ہے دشمن کے لئے موت کا پیغام ہشیار کہ اب میان سے کھنچتی ہے یہ صمصام
یہ تیغ نہیں وہ جو دمِ حرب رکے گی
میں تم سے رکوں گا، نہ مِری ضرب رکے گی

۸۷
آتا ہے بڑا سبطِ پیمبرؐ کا مددگار یہ سن کے پکارا عمرِ سعدِ جفا کار
بڑھ کر کہا غازی نے کہ او ظالمِ غدّار اس پِیر کو مہلت نہ دیا چاہیے زنہار
میں تیری طرح دشمنِ شبیرؑ نہیں ہوں
ہوں پِیر تو واللہ، پہ بے پِیر نہیں ہوں

۸۸
گر کوہ کو چاہوں تو اکھاڑوں صفتِ کاہ گو ہاتھوں میں رعشہ ہے پہ او ظالمِ گمراہ
ہے قدر شناس ان کا جگر بندِ یدُاللہ ان ہاتھوں کی قوت سے ابھی تو نہیں آگاہ
پیری سے جو ہے پشت خمیدہ تو بجا ہے
جس خاک میں جانا ہے اُدھر سر بھی جھکا ہے

میں وہ ہوں کہ جو فخر کروں، ہے وہ سزا وار ۸۹ دیکھا ہے محمدؐ کا انہی آنکھوں سے دربار
چوما کیا اکثر قدمِ حیدرؑ کرار زہراؑ کی نوازش رہی، شبّرؑ نے کیا پیار
بچپن سے مجھے عشقِ امامِ دوجہاں ہے
اب ساتھ ہے شبیرؑ کا اور سیرِ جناں ہے

پیری سے ہے روشن کہ چراغِ سحری ہوں ۹۰ دنیا سے کوئی دم میں عدم کا سفری ہوں
آقا مرا شاہد ہے کہ عصیاں سے بری ہوں دیندار ہوں، غازی ہوں، مجاہد ہوں، جری ہوں
بے خوف چلا جاتا ہوں میں شیر کے منہ پر
دعویٰ ہے تو آؤ مری شمشیر کے منہ پر

مشہور ہے دنیا میں کہ یک پیری و صد عیب ۹۱ جرأت میں کسی کا نہ شباب اور نہ مرا شیب
ہردم ہے عنایات ِخدا سے مددِ غیب شک اس میں نہیں، بندۂ شبّیرؑ ہوں لاریب
تلواروں سے سَو ٹکڑے اگر ہو کے گروں گا
اس قبلۂ دیں سے نہ پھرا ہوں، نہ پھروں گا

آقا مرا وہ ہے جو امامِ ازلی ہے ۹۲ مظلوم ہے، سید ہے، ولی ابنِ ولی ہے
ہر جنگ میں اکثر مری تلوار چلی ہے اُس شیر کے بیشے میں پلا ہوں جو علیؑ ہے
تلوار نہ ہووے گی تو ہاتھوں سے لڑوں گا
ہر طرح سے مرکر اسی میداں میں گڑوں گا

مینہ تیروں کا برسے تو کبھی منہ کو نہ موڑوں ۹۳ نیزوں کا ہر اک بند اِنھیں ہاتھوں سے توڑوں
ہاتھ آؤ تو ٹکرا کے سر ایک ایک کا پھوڑوں جیتا شہِ مظلوم کے دشمن کو نہ چھوڑوں
کچھ ڈھال کی حاجت نہیں مشتاقِ اجل کو
دانتوں سے چبا جاؤں گا تلوار کے پھل کو

ہے جنگِ یدُ اللہ کا انداز مجھے یاد ۹۴ ہے کانپتے ہاتھوں میں مرے زورِ خدا داد
پھر جاتا ہے پنجے سے مرے پنجۂ فولاد پکڑوں جو کلائی کو تو ضیغم کرے فریاد
کھاسکتے نہیں دیو، دلیروں کا طمانچہ
ہے ضرب مرے ہاتھ کی، شیروں کا طمانچہ

اے ظالمو کرتے ہو یہ کس گھر کی صفائی ۹۵ شبیرؑ سے بیکس پہ یہ لشکر کی چڑھائی
پیدا ہوئی ہے جس کے لئے ساری خدائی کرتے ہو غضب اس کے نواسے سے بُرائی
فرزندِ پیمبرؐ پہ جفا کرتے ہو یارو
گھر لٹتا ہے زہراؑ کا، یہ کیا کرتے ہو یارو

ہلتی ہے زمیں، عرشِ خدا کو نہ ہلاؤ ۹۶ بدعت نہ کرو، ہاتھ نہ سید پہ اٹھاؤ
شمعِ حرمِ لم یزَلی کو نہ بجھاؤ کعبہ ہے یہ، بنیاد نہ اس گھر کی مٹاؤ
کون اس کے سوا دوشِ محمدؐ کا مکیں ہے
شبیرؑ سا آقا کوئی دنیا میں نہیں ہے

ہر چند بہادر ہے تو اے رستمِ لشکر ۹۷ سمجھانے لگا آن کے تب ایک ستمگر
لازم وہ ہے تدبیر کہ برباد نہ ہو گھر تیرے زن و فرزند بھی ہوویں گے مقرّر
گو لختِ دلِ صاحبِ معراج ہے شبیرؑ
حاصل تجھے کیا ہوگا کہ محتاج ہے شبیرؑ

ساتھ اس کا نہ دے جس سے ہے برگشتہ زمانہ ۹۸ کیوں آپ کو تیروں کا بناتا ہے نشانہ
دو روز سے پانی نہ میسّر ہے، نہ دانہ قبضے میں نہ دولت، نہ ریاست، نہ خزانہ
لازم ہے کنارہ پسرِ شیرِ خدا سے
ہو اُس کا ملازم جو سپر بھر دے طلا سے

تھرّا گیا یہ سن کے حبیبِ جگر افگار ۹۹ چلّا کے کہا دور ہو اے ظالم و غدّار
فرزند نہ کام آئیں گے مرقد میں، نہ گھر بار نہ ملک سے مطلب ہے، نہ دولت سے سروکار
شبیرؑ کے کام آؤں تو دل شاد ہو میرا
وہ گھر تو لٹے اور گھر آباد ہو میرا؟

ممکن ہے کہ سردار پھر اس طرح کا پاؤں؟ ۱۰۰ فاسق کی طرف دولتِ دیں چھوڑ کے جاؤں؟
خاکِ قدمِ شاہ کو آنکھوں سے اٹھاؤں گو کوہِ طلا ہووے تو ٹھوکر نہ لگاؤں
کیا دے گا مجھے کوئی جو آقا نے دیا ہے
شبیرؑ سے فردوس میں گھر میں نے لیا ہے

یہ کہتے ہی جولاں کیا شبدیزِ سبکتاز ۱۰۱ اُڑ کر صفِ اعدا پہ گیا صورتِ شہباز
رنگِ رخِ افواجِ ستم کر گیا پرواز گھوڑا تھا مگر شیر کا تھا جست میں انداز
اک دم میں گیا پار سواروں کے پروں سے
مڑ کر ادھر آیا تو گرے خود سروں سے

چمکی عجب انداز سے اُس شیر کی تلوار ۱۰۲ گویا سرِ اعدا پہ گری برقِ شرر بار
ڈھالوں سے بدن اپنے چھپاتے تھے سیہ کار اُس دستِ زبر دست کا رکتا تھا کوئی وار
کچھ امن نہ تھا خود و زرہ سے تن و سر کو
سینے سے گزر جاتی تھی دو کر کے سپر کو

کاٹے ہوئے پھل برچھیوں کے رن میں پڑے تھے ۱۰۳ سہمے ہوئے گوشوں میں کماں دار کھڑے تھے
چھایا تھا ہرَ اس اُن پہ ہمیشہ جو لڑے تھے آنکھیں وہ چراتے تھے بہادر جو بڑے تھے
دہشت سے زرہ پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا
اس تیغ نے تیغوں کا بھی منہ موڑ دیا تھا

تھے برچھیوں والوں کے پرے بے سر و بے پا ۱۰۴ برچھی تھی کہیں، ہاتھ کہیں اور کہیں پہنچا
تھا نہر تلک موج زن اک خون کا دریا بہتے تھے حبابوں طرح سے سر اعدا
دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوجِ عدو میں
مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش لہو میں

چلّاتے تھے اعدا کوئی بنتی نہیں تدبیر ۱۰۵ دم بند ہیں ماریں کسے تلوار، کسے تیر
جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر پھر جاتی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر
کیا ہوتا ہے ڈھالوں کی جو بدلی سی جھکی ہے
بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رکی ہے

بیکار تھے جلاّدوں کے نیزے دمِ پیکار ۱۰۶ تلوار سے ملتی تھی نہ مہلت کہ چلے وار
حلقہ کئے اُس شیر کے درپے تھے کماں دار چلّے سے مگر کس نے ملایا لبِ سوفار
شہباز سا سر پر فرسِ تیز قدم تھا
نکلا ہی نہ تھا تیر کماں سے کہ قلم تھا

پیری میں جو دکھلائی جوانوں کی شجاعت ۱۰۷ تھرّانے لگے عضوِ بدن، گھٹ گئی طاقت
دم چڑھ گیا، گرمی سے ہوئی پیاس کی شدّت دل سے کہا اب عالمِ فانی سے ہے رخصت
نے لشکرِ اعدا کو، نہ شمشیر کو دیکھا
کس یاس سے مڑ کر رخِ شبیرؑ کو دیکھا

پھرنا تھا کہ بس پڑنے لگی تیروں کی بوچھار ۱۰۸ دیکھا جو اُدھر پشت پہ نیزے کا لگا وار
چاہا اُسے ماریں کہ لگی فرق پہ تلوار اور ظلم کی برچھی بھی کلیجے کے ہوئی پار
کہتے تھے تن و جاں شہِ دلگیر کے صدقے
ہر زخم پہ نعرہ تھا کہ شبیرؑ کے صدقے

رگ رگ جو کٹی پھر نہ رہا ضبط کا یارا ۱۰۹ چھاتی بھی چھنی تیروں سے اور فرق دو پارا
گرتے ہوئے گھوڑے سے یہ آقا کو پکارا شیرازۂ اجزائے بدن کھُل گیا سارا
یاں آپ کا آنا مری بخشش کی سند ہے
اے شیرِ الٰہی کے پسر وقتِ مدد ہے

دیکھا کہ وہ مظلوم کوئی دم کا ہے مہماں ۱۱۰ ناگاہ صفیں چیر کے آئے شہِ ذی شاں
اے دوست مرے تیری محبت کے میں قرباں لاشے سے لپٹ کر یہ پکارے بہ صد افغاں
دکھلا دو مجھے زخم کہاں کھائے ہیں بھائی
چھاتی سے لپٹ جاؤ کہ ہم آئے ہیں بھائی

کس طرح نہ رووُں ترا احساں نہیں تھوڑا ۱۱۱ اس عالمِ پیری میں نہ منہ جنگ سے موڑا
فرقت نے تری آہ کمر کو مری توڑا میرے لئے تونے زن و فرزند کو چھوڑا
تنہا کوئی لاکھوں سے لڑائی نہیں کرتا
وہ تونے کیا مجھ سے کہ بھائی نہیں کرتا

گردن کے تلے زانوئے شبیرؑ کو پایا ۱۱۲ آقا کی صدا سن کے اسے ہوش جو آیا
اکبرؑ کی طرف جوڑ کے ہاتھوں کو سنایا آنکھوں سے کفِ پائے مبارک کو لگایا
کچھ اپنے نمک خوار پہ احساں نہیں کرتے
حضرت پہ اٹھا کے مجھے قرباں نہیں کرتے

شہزادۂ عالم، مرے کام اس گھڑی آؤ ۱۱۳ لِلّٰہ مِرے واسطے آنسو نہ بہاؤ
حیدرؑ یہ کھڑے ہیں مجھے قدموں پہ گراؤ محبوبِ خدا آئے ہیں خادم کو اٹھاؤ
بُوئے حسنؑ سبز قبا آتی ہے مجھ کو
فریاد کی زہرؑا کی صدا آتی ہے مجھ کو

۱۱۴
نکلی رہی ہونٹوں پہ زباں پیاس کے مارے یہ کہتے ہی بس گلشنِ دنیا سے سدھارے
چھوڑا ہمیں اے یارِ وفادار ہمارے بازو کو ہلا کر شہِ مظلوم پکارے
ہم رہ گئے تم ہم سے دغا کر گئے بھائی
صدقے ابھی ہوتے تھے ابھی مر گئے بھائی

۱۱۵
ہے ہے مرے سلماں، مرے مقداد و ابوذر ہے ہے مرے عاشق، مرے شیدا، مرے یاور
ہے ہے مرے عمّار، مرے مالکِ اشتر ہے ہے مرے رستم، مرے ضیغم، مرے صفدر
تا زیست ترے ہجر میں فریاد کروں گا
خنجر کے تلے بھی میں تجھے یاد کروں گا

۱۱۶
سر پیٹ کے فرمایا کہ اے زینبؑ پُرغم پھر لاش درِ خیمہ پہ لائے شہِ عالم
ماتم کرو بے کس کا بچھا کر صفِ ماتم میداں میں حبیب ابنِ مظاہر ہوئے بے دم
یاں رونے کو اس کے زن و فرزند نہیں ہیں
مظلوم مسافر کے اگر ہیں تو ہمیں ہیں

۱۱۷
پہنچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رُلانا خاموش **انیسؔ** آگے نہ کہہ لاش کا جانا
ہے ذاتِ خدا، قادر و قیّوم و توانا افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانا
رکھ اُس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے